باب سوم

خواتین تنقید نگاروں کی خصوصیات اور مسائل

(تانیثیت کے حوالے سے)

- تانیثیت کے معنی اور مفہوم
- اردو تنقید میں تانیثیت کا رجحان

انسانی زندگی کی کہانی صرف مرد یا عورت کے وجود سے ممکن نہیں۔ مرد اور عورت دونوں کا وجود ایک دوسرے کی تکمیل کے لیے لازمی ہے۔ اس لیے دونوں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ دونوں میں سے کسی ایک کی اہمیت کو نظر انداز کرنا دوسرے سے ناانصافی ہوگی۔ لیکن اگر تاریخی واقعات پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مردوں نے ہمیشہ کسی نہ کسی طرح عورتوں کی اہمیت سے انکار کرتے ہوئے ان کا استحصال کیا ہے اور اگر کبھی ان کے حقوق کی بات کی بھی تو اس میں اپنا ہی فائدہ تلاش کیا۔ ہندوستانی سماج میں عورتوں کو صدیوں سے رسم و رواج کی زنجیروں میں قید کر کے رکھا گیا ہے۔ ہنسنے، بولنے، اٹھنے، بیٹھنے، گھر سے باہر جانے، تعلیم حاصل کرنے گویا کہ اس کے تمام کاموں پر ابتدا ہی سے پابندیاں عائد کی جاتی رہی ہیں۔ ایسے میں عورتوں کا تخلیقی ادب میں قدم رکھنا اور منظر عام پر آنا بہت بڑی بات ہے۔

معاشرے میں مردوں نے ہمیشہ اپنی بالادستی قائم رکھی ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کا استحصال کیا ہے۔ چاہے وہ ادب ہی کیوں نہ ہو۔ جب ہم اردو ادب کی تاریخ اور سیکڑوں کی تعداد میں موجود شعرائے اردو کے تذکروں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خواتین صرف معاشرتی طور پر ہی نہیں بلکہ ادبی سطح پر بھی مردانہ عصبیت کا شکار رہی ہیں۔ ان کی ادبی حیثیت سے انکار کیا گیا اور انھیں وہ درجہ نہیں دیا گیا جس کی وہ مستحق تھیں۔ آخر ایسی کون سی وجہ تھی کہ تذکروں میں شعرا کا ذکر آیا مگر شاعرات کا ذکر کہیں موجود نہیں ہے۔ جبکہ اردو شاعرات کی روایت پندرہویں اور سولہویں صدی میں دکن کی امیر النساء کی شاعری سے ملنی شروع ہو جاتی ہیں۔ مہ لقا چندا اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ تھیں۔ ۱۹۴۴ء میں محمد جمیل احمد نے 'شاعرات اردو' کے عنوان سے ایک تذکرہ لکھا، جس میں ۵۰۰ خواتین شاعرات

کے ذکر کے ساتھ ان کی شاعری کا تاریخی وتنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ جب ۱۹۴۴ء میں جمیل صاحب کو ۵۰۰ شاعرات کے نام دستیاب ہو سکتے ہیں تو کیا ان سے پہلے کے تذکرہ نگاروں کو ان شاعرات کے بارے میں کوئی معلومات نہیں تھی۔ اس سلسلے میں سید محمد عقیل رقم طراز ہیں:

"اس کی تخلیقات کو نہ صرف یہ کہ اہمیت کم دی جاتی ہے بلکہ ان تخلیقات کی تفہیم یا تعبیر یہ مرد سوسائٹی اپنے رویے سے کرتی رہی ہے، جس میں عورتوں کی نفسیات، برتاؤ اور ان کے اپنے سوچنے کے طریقوں کو کسی مطالعہ میں شامل نہ کر کے سب کچھ مرد حاوی سوسائٹی اپنی طرح سے پیش کرتی رہی ہے۔ جس کے باعث زندگی اور ادب دونوں کے اظہار، مطالعے اور پیش کش سب میں عورت ایک مسخ شدہ جنس Commedity بنی ہے۔"

یہ بات واضح ہے کہ مرد ادیب بلا روک ٹوک کچھ بھی لکھ سکتے ہیں ان کو نہ کسی کی پھٹکار کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور نہ ہی سماج میں ان پر کوئی پابندی عاید کی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اگر عورتوں نے اپنی کسی تخلیقات میں بے باکی سے جنسی مسائل کو پیش کیا تو قاری اس کہانی کو فوراً لکھنے والی کی ذاتی زندگی سے جوڑ دیتا ہے۔ عورتوں کو ہمیشہ رومانیت سے دامن بچا کر لکھنا پڑتا ہے۔ جن عورتوں نے سماج کی پابندیوں کو توڑ کر ادب تخلیق کیا۔ ان کو اپنی ذاتی زندگی میں اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ دوسری جانب اگر خواتین قلم کاروں نے سماج کے متعین کردہ حدود میں رہ کر طبع آزمائی کی تو ان کی تخلیقات کو غیر سنجیدہ یا غیر معیاری کہہ کر رد کر دیا گیا اور اگر قید و بند توڑ کر لکھیں تو انہیں فحش نگار کے خطاب سے نوازا جاتا ہے مثال کے طور پر عصمت چغتائی پر فحش نگاری کا الزام لگا کر مقدمہ چلایا گیا، رشید جہاں کی ناک کاٹنے کا فتویٰ جاری ہوا، فہمیدہ ریاض کو سات برس جلاوطنی میں گزارنے پڑے، تسلیمہ نسرین کبھی اپنے وطن بنگلہ دیش نہیں جاسکتیں۔ ایسے حالات میں عورت کیونکر لکھے اور کیا لکھے۔ اور اگر کسی خواتین نے ہمت کر کے لکھا بھی تو ان کی تخلیقات کو سرے سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ خواتین کی تخلیقات کو سنجیدگی سے نہیں لیا جاتا ان کی قدر و قیمت متعین کرنا تو دور کی بات ہے۔ اس ضمن میں یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے یہاں نقاد ہی کتنے ہیں اور آخر میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اتنے کم نقاد میں خواتین کی تخلیقات پر کون اپنی قیمتی رائے دے۔ مگر یہاں یہ بھی

غور طلب بات ہے کہ آخر خواتین خود ایک دوسرے پر کیوں نہیں لکھتیں۔ اگر مرد اساس معاشرہ آپ کو نظر انداز کرر ہا ہے تو آپ خود ایک دوسرے کو سنجیدگی سے لیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے جہاں ایک طرف شاعری اور فکشن کے میدان میں خواتین تخلیق کاروں کی ایک طویل فہرست ہے وہیں دوسری طرف تنقید نگاری میں دو چار بڑے ناموں کے بعد یہ فہرست ختم ہو جاتی ہے۔ اس پر تفصیلی بحث آگے کے صفحات میں کی جائے گی۔

اردو میں تانیثیت کی تحریک کو آج بیس۔ پچیس سال گزر چکے ہیں۔ خواتین نے شاعری اور فکشن کے ذریعہ عورتوں کو ان کے جائز حقوق دلانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ ان میں وہ اعتماد پیدا کیا جس سے وہ مردوں کے ظلم وستم کو خاموشی سے برداشت کرنے کے بجائے اس کے خلاف احتجاج کریں اور سیاسی، سماجی اور معاشرتی اعتبار سے ان کو مردوں کے برابر درجہ ملے۔ آہستہ آہستہ وہ اس میں کامیاب بھی ہوئیں۔ موجودہ زمانے میں عورت مرد کے شانہ بہ شانہ زندگی اور سماج کے ہر شعبوں میں کھڑی نظر آرہی ہے۔ لیکن مردوں میں مرکزیت اور بالادستی کے سبب نظر انداز کرنے کا رویہ آج بھی برقرار ہے۔ ابھی بھی نوے فیصد عورتوں کو اپنے حق کی لڑائی لڑنی ہے اور اپنی شناخت برقرار رکھنے کے لیے جد و جہد کرنی ہے۔ بقول کشور ناہید:

بہن بیوی اور ماں کے رشتوں / کی خاطر جینے والی

تم اپنے لیے بھی تو جیو

دیکھو کنول کا پھول کیسے عالم / اور کیسے ماحول میں اپنی انا

اور اپنے وجود کا اعلان کرتا ہے

تانیثیت کے معنی اور مفہوم

تانیثیت انگریزی لفظ فیمنزم (Feminism) کی اردو اصطلاح ہے۔ فیمنزم (Femi-niz-um) لاطینی زبان کا لفظ ہے۔ لاطینی میں Femina کے معنی عورت ہیں اور Ism سے مراد نظریہ ہوتا ہے۔ اس طرح فیمنزم کے معنی عورتوں کا نظریہ ہے۔ اس لفظ کا استعمال سب سے پہلے فرانسیسی فلاسفر چارلس فوریس (Charles Fouries) نے ۱۸۳۷ء میں کیا تھا۔ فوریس کا ماننا تھا کہ جب تک سماج میں سبھی کو برابر مواقع

فراہم نہیں ہوں گے تب تک انسانی صلاحیتوں کو فروغ حاصل نہیں ہوگا۔ اس طرح عورتوں کی سیاسی، سماجی اور تعلیمی آزادی کے لیے جو تحریک چلی وہ تانیثی تحریک یا Feminism تحریک کہلائی۔ تانیثی تحریک دوسری تمام تحریکوں کی طرح مغرب کی ہی دین ہے مگر عورتوں کے حقوق پر بحث کسی نہ کسی صورت میں ہر زمانے میں ہوئی ہے۔ تانیثیت کی باضابطہ ابتدا ایک تحریک کی شکل میں انیسویں صدی کے اوائل میں ہوئی۔ ابتدا میں یہ ایک سماجی اور اصلاحی تحریک تھی جس کا مقصد عورتوں کی غلامی کا خاتمہ تھا مگر جلد ہی اس تحریک نے خصوصاً عورتوں نے اپنی ایک مخصوص تنظیم قائم کر کے اپنے حقوق کی جدوجہد کا باقاعدہ آغاز کیا۔ اس تحریک کا بنیادی مقصد عورتوں کو مردوں کے برابر سماجی، سیاسی، معاشی، اقتصادی اور تعلیمی آزادی دلانا ہے۔ اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تانیثیت اس علمی، ادبی اور فکری تحریک کا نام ہے جو عالمی سطح پر مرد اساس معاشرے کے خلاف طبقۂ نسواں کی حمایت اور ہمدردی میں پروان چڑھی۔ تانیثیت کی تعریف مختلف لوگوں نے مختلف کی ہے۔ دیویندر اسر تانیثیت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''تانیثیت ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے مخصوص معنی متعین کرنا ممکن نہیں یہ ایک غیر متعین کثیر المعنی تصور ہے، جس میں مختلف النوع ایشوز اور رویے شامل ہیں۔ مرد غالب معاشرے اور پدری نظام سے لے کر معاشی استحصال، جنسی جبر اور دہشت تک غیر مساوی حقوق سماجی ناہمواری، قانونی عدم تحفظ متضاد (منافقانہ) اخلاقی اقدار اور فرسودہ خاندانی / ازدواجی رشتوں سے لے کر کاروبار اور سیاسی اقتدار تک۔''[۱]

دیویندر اسر کی اس تعریف سے تانیثیت کے معنی اور مفہوم پر روشنی پڑتی ہے اور تانیثیت کا مقصد واضح ہو جاتا ہے۔ New Webster's Dictionary نے فیمینزم کے معنی اس طرح بیان کیے ہیں:

> ''فیمینزم سے مراد وہ اصول ہے جو عورت کے لیے ان سماجی و سیاسی حقوق کی حمایت کرتا ہے جو مردوں کو حاصل ہیں۔''[۲]

اس کے علمبرداروں کا مطالبہ تھا کہ معاشرے میں عورتوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہونا چاہیے جو مردوں کو حاصل ہیں۔ تانیثیت کے علمبرداروں نے مردانہ تسلط کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے کہا کہ خواتین کو ہمیشہ سماج میں ایک کمتر جنس سمجھا جاتا رہا۔ مرد اساس معاشرے میں عورت کی حیثیت

دوسرے درجے کے شہری جیسی ہے۔اس بارے میں اگست بیل کا قول رقم طراز ہے:

"Women is not a subject. She is an object which man used and abuses as a thing is used and abused."3

بیل کے اس اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مردوں کے نزدیک عورتیں ایک بے معنی اشیاء کی مانند ہیں، جس کی نہ تو کوئی عزت ہے اور نہ ہی اہمیت۔لہٰذا اس تحریک کے ذریعہ عورتوں میں یہ احساس اور شعور بیدار کیا جائے کہ وہ شے نہیں بلکہ وہ بھی ایک مکمل اکائی ہیں اور انہیں بھی سیاسی، سماجی، اقتصادی اور دوسری سطحوں پر مساویانہ حقوق اور برابری کے مراتب حاصل ہیں۔سید محمد عقیل اپنے مضمون ''تانیثیت ایک تنقیدی جائزہ'' میں تانیثیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تانیثیت کے مبلغ یہ مانتے ہیں کہ ادب اور زندگی میں جتنے بھی اصول بنائے گئے ہیں وہ تمام مردوں نے ہی بنائے ہیں اس لیے یہ سب اصول صرف مردوں کے حق میں ہیں۔یہاں تک کہ عورتوں کی سوچ، فکر، ان کی زندگی بسر کرنے کے طریقے وہ کیا کریں کیا نہ کریں ان کے اچھے برے طور طریقے سب کا معیار بھی مرد ہی طے کرتے ہیں۔کبھی کبھی عورتوں کے موضوعات بھی مرد سوسائٹی نے طے کر دیئے ہیں۔کم از کم اردو ادب میں یہ بات بالکل واضح ہے۔غزل کی تعریف ہی یوں بتائی گئی ہے ......غزل عورتوں سے باتیں کرنا ہے......اب بھلا غزل عورت کہے تو کیوں کر۔''[۴]

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی تانیثیت کی تحریک پورے یورپ میں ایک جذباتی تحریک بن گئی۔عورتوں کے مسائل اور ان کے استحصال کے خلاف احتجاج شروع ہو گیا اور گھروں، دفتروں اور سماج میں عورتوں کے حقوق کے لیے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ Rhoda Reddock روڈا رریڈویک لکھتے ہیں:

"To mean an awearness of women's oppression and explotation with in the family, at work and in society and concious action by women and men to change this situation." 5

(ترجمہ: تانیثیت کے معنی عورتوں کا گھر کے اندر، کام کرنے کی جگہوں اور سماج میں ہو رہے جبر و استحصال کے خلاف مہم کی تبلیغ کرنا اور عورتوں اور مردوں کی اجتماعی کاوشوں کے ذریعے موجودہ حالات کے خلاف ضروری اقدامات کرنا ہے)

ورجینا وولف مردوں کے اس جابرانہ رویہ کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اپنی کتاب A Room of one's own میں لکھتی ہیں:

''اگر شیکسپیئر کی کوئی ہمشیرہ ہوتی جو اس کی طرح ذہین ہوتی اور ساتھ ہی اس کی طرح شاعری سے دلچسپی بھی رکھتی اس کے باوجود وہ شیکسپیئر نہیں بن سکتی تھی کیونکہ اس کی خاطر کبھی لاطینی اسکول کا دروازہ کھولا نہیں جاتا جس کا بہت بڑا مگر نا کردہ گناہ محض اس کا عورت ہونا ہوتا۔'' [۶]

اس زمانے کے تقاضے کے اعتبار سے یہ بات بالکل درست ہے کہ تانیثیت کی ابتدا سے قبل نہ صرف عورتوں کو بلکہ ان کی تخلیق کو وہ درجہ حاصل نہیں ہوا جس کی وہ مستحق تھیں۔ اس بارے میں Olive Banks کا کہنا ہے:

''فیمنسٹ وہ ہیں جنھوں نے اس روایتی جبر کے خلاف آواز اٹھائی جس کی شکار عورتیں ہیں اور وہ جنھوں نے ان حقوق کی وضاحت کی جو قانون، مذہب، رسم و رواج کے تحت انہیں ملتے تھے۔ فیمنسٹ وہ ہیں جو مرد عورت کے ایک نئے رشتے کے خواہاں ہیں جس کے ذریعہ عورتوں کو اپنی زندگی پر زیادہ اختیار حاصل ہو سکتا تھا۔'' [۷]

یہ احتجاج اس قدر بڑھا کہ ایک امریکی مصنفہ ڈوروتھی پار نے اپنی کتاب Modern Women : The lost sex میں یہاں تک لکھ دیا کہ ہمیں عورت کہنے کے بجائے صرف انسان کہا جائے۔ سماج میں جس طرح ایک عام فرد کو اپنی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں آزادی حاصل ہوتی ہے اسی طرح عورتوں کو بھی صنفی اور جنسی تفریق کی بنیاد پر کمتر سمجھنے کے بجائے انہیں اپنی شخصیت کی تعمیر کی آزادی ہونی چاہیے۔ انسائیکلوپیڈیا آف سوشیلاجی میں تانیثیت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"Feminism: a movement that attempt to institute social, economic and political equality between

men and women in the society and end distortion in relationship between men and women."
(Gender and Religion) 8

(ترجمہ: یعنی ایک ایسی تحریک جو عورت اور مرد کے درمیان سماجی، سیاسی اور اقتصادی برابری قائم کرے اور عورت اور مرد کے رشتے کی خامیوں کو دور کرے)

تانیثیت کی ان تمام تعریفوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فیمینزم سے مراد وہ تحریک ہے جو عورتوں کے حقوق کے لیے چلائی گئی ہو یا وہ نظریہ جو عورت اور مرد کو معاشرے میں برابر زندگی گزارنے کے لیے ملے۔ انگریزی وکی پیڈیا میں تانیثیت کی تعریف کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"Feminism is a range of political movement, ideologies and social movement that share a common goal to define, establish and achieve equal political economic personal and social right for women this includes seeking to establish equal opportunities for women in education and employment, feminists typically advocate or support the rights and equality of women." 9

تانیثیت کی اس تعریف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تانیثیت کی تحریک کے ذریعہ عورتوں کو سماجی، سیاسی، معاشی، تعلیمی اور دیگر حقوق مثلاً ان کی شخصی آزادی، جائداد میں معقول حصہ، شادی، طلاق کے مسائل وغیرہ کے حق دلانا ہے۔

سب سے پہلے خواتین کی بحالی اور ان کے سماجی منصب پر ٹھوس قدم جان اسٹورٹ مل (John Staurt Mill) نے اٹھایا۔ مل کے مطابق مردوں کی دلیل تھی کہ خواتین حاکمیت کی اہل نہیں ہیں، اس لیے ان پر (مردوں پر) یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان کی خامیوں کی نشاندہی کریں جن کی بنیاد پر خواتین کو حکومت کے لیے نا اہل قرار دیا گیا تھا۔ مل نے منطقی، سائنسی اور تاریخی دلائل سے یہ ثابت کیا کہ خواتین ذہانت اور دماغی صلاحیت میں مردوں سے کسی بھی طرح کم نہیں ہیں۔ مل اس بارے میں لکھتے ہیں:

"The Inequality of right between men and women has no other source than he law of might." 10

(ترجمہ: مردوں اور عورتوں کے درمیان حقوق کی نابرابری کا منبع صرف زور بازو کا قانون ہے۔)

مل کا یہ بھی ماننا ہے کہ مرد صرف عورتوں کی تابعداری نہیں چاہتے بلکہ وہ ان کے جذبات پر قابو چاہتے ہیں۔ وہ عورتوں کو غلام تصور کرتے ہیں۔ مل کے یہی دلائل آگے چل کر تانیثی فلسفے اور تھیوری کی بنیاد بنے۔ تحریک کے سلسلے میں مل کی کتاب On the subjugation of women اہمیت کی حامل ہے۔

تانیثیت کے بنیاد گزاروں میں میری وال سٹون کرافٹ (Mary Wall Stone Craft) کا نام سرفہرست ہے۔ میری کی کتاب A Vindication of the right of the women (1792) تانیثیت کی پہلی کتاب مانی جاتی ہے۔ مصنفہ نے یہ کتاب منڈ برک کی تصنیف A Vindication of the right of men کے جواب میں لکھی تھی۔ برک نے اپنی کتاب میں مردوں کے حقوق کی حمایت کرتے ہوئے عورتوں پر مردوں کی بالادستی کے رویے کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ میری نے نہ صرف عورتوں کو تفریح و تفنن کا سامان ماننے سے انکار کیا بلکہ جنسی اور صنفی تصور کو غیر فطری اور سماج کی دین قرار دیا۔ حقوق کے ضمن میں اس کا اصرار مساوات پر تھا کیونکہ سماج میں مرد اور عورت کو بلند اور پست کے درجوں میں بانٹا گیا ہے۔ مرد اساس درجہ بندی پر میری کی یہ پہلی کوشش تھی اس کے بعد حقوق نسواں کے تحفظ کے لیے منظم طور پر جدوجہد کا آغاز ہوا، جس نے مغرب میں ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ ابتدا میں اس تحریک میں عورتیں پیش پیش تھی مگر جلد ہی مردوں نے بھی اس میں حصہ لیا۔

بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی مغربی ممالک خصوصاً فرانس، امریکہ اور برطانیہ میں یہ موضوع شدت کے ساتھ اٹھایا گیا۔ ورجینا وولف (Verginia Woolf) نے A Room of One's Own (1929) لکھ کر عورتوں کو ان کی اہمیت کا احساس دلایا۔ دراصل یہ کتاب ان کی دو تقریروں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے کیمبرج یونیورسٹی کے عورتوں کے کالج Newnham and Girton College میں دیے تھے۔ اس کتاب کا موضوع عورت اور فکشن ہے۔ ورجینا وولف کے مطابق عورت عقلی، فطری اور تخلیقی سطح پر کمزور نہیں ہے بلکہ اس کی صلاحیتوں کو ہمیشہ نظر انداز کیا گیا ہے۔

ان کا ماننا ہے کہ خواتین کے اندر ہر وہ صلاحیت موجود ہے جو مرد کے اندر ہوتی ہے مگر ان کو وہ ماحول

میسر نہیں ہوئے جن میں وہ اپنی رائے یا صلاحیت کا اظہار کریں۔ ان کے مطابق عورت نے ابھی تک جو کچھ بھی تحریر کیا وہ کسی نہ کسی پابندی یا شرط و جبر میں پیش کیا جس کی وجہ سے ان کی تخلیقات غیر معیاری ہوتی تھیں۔ اس کے برعکس جب بھی مرد مصنفین نے کسی خاتون کے ادب کا مطالعہ کیا تو منفی نقطۂ نظر سے ہی کیا جس کے اثرات خواتین پر اس طرح پڑے کہ انھوں نے لکھنا ہی ترک کر دیا۔ وولف نے بہ دلیل یہ ثابت کیا ہے کہ چہار دیواری کے اندر رہ کر عورتوں میں Negative capability پیدا ہونا مشکل ہے اور نہ ہی اس کے اندر اتنی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ کسی بھی موضوع پر مردوں کی طرح مدلل بحث کر سکے اس لیے ناقدین کو چاہئے کہ وہ اس نقطۂ نظر کو ذہن میں رکھ کر خواتین کی تخلیقات کی قدر و قیمت متعین کریں۔ ورجینا وولف کے تصورات نے ادب و تنقید کے صفحات پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔

ورجینا وولف کے بعد سیمون دی بوائر (Simone-De-Beauvior) کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ سیمون دی بوائر نے اپنی کتاب The Second Sex (1949) (جس کا کشور ناہید نے اردو ترجمہ 'عورت' کے عنوان سے کیا ہے) اور The Prime of Life میں مرد کی مرکزیت اور عورتوں کو دوسرے درجہ کی حیثیت دینے کے رویے کو بحث کا موضوع بنایا ہے۔ بقول مصنفہ One is not born rather become a women. اس نے عورتوں کی کمتری پر بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب میں سب سے پہلا سوال عورت کیا ہے؟ قائم کیا ہے۔ سیمون دی بووا اپنی کتاب "The second sex" میں عورتوں کے حالات پر لکھتی ہیں:

> ''عورت ہمیشہ مرد کی غلام نہیں تو محتاج ضرور رہی ہے۔ دونوں جنسوں نے کبھی بھی برابری کی سطح پر دنیا میں حصہ نہیں لیا۔ آج بھی عورت نہایت مجبور ہے تاہم اس کی حیثیت اب تبدیل ہونے لگی ہے۔ تقریباً کسی بھی جگہ پر اس کی قانونی حیثیت مرد جیسی نہیں، اور عموماً اسے اس کا بہت نقصان ہوتا ہے اگر عورت کے حقوق قانون میں تسلیم شدہ ہوں تب بھی طویل عرصے سے قائم معاشرتی طور طریقوں میں ان حقوق کا اظہار نہیں ہونے دیتے۔ معاشی میدان میں مرد اور عورتوں کو ایک لحاظ سے دو علیحدہ علیحدہ طبقے قرار دیا جا سکتا ہے۔ تمام حالات مساوی ہونے کے باوجود مرد بہتر ملازمتیں، زیادہ تنخواہیں حاصل کرتے ہیں اور

انہیں عورتوں کے مقابلے میں کامیابی کے زیادہ مواقع بھی ملتے ہیں۔صنعت اور
سیاست میں بڑے بڑے عہدے بھی مردوں کو حاصل ہیں۔''
(عورت،مترجم یاسر جواد، فکشن ہاؤس، لاہور،۲۰۱۳ء،ص:۲۳-۲۲)

ان کے علاوہ اس تحریک کو فروغ دینے میں جولیا کرسٹیوا کی کتاب Revolution in Potic language اور Gyno Criticism ہیلن کیسیں (Helene Cixous) کی کتاب The Laugh of the meduna، میری ایلمان کی Thinking about woman کیٹ ملیٹ کی کتاب Sexual Politics، ایلین شووالٹر کی A literature of their own، ایلین موٹر کی Literary Women، مائیکل باریت کی Women's Oppression today وغیرہ اہمیت کی حامل ہیں۔ان تمام کتابوں میں پہلی بار عورتوں کے جنسی مسائل اور دیگر موضوعات پر بحث کی گئی۔

تانیثیت کی تحریک اپنے ابتدائی دور سے لے کر اب تک دس گروہوں میں بٹ چکی ہے، جس کی وجہ سے اس میں مختلف اختلافات شامل ہو گئے۔ماڈیلائن آرنلڈ وینسٹر اور ڈیویڈ Modelein Arnold, Gaby weiner and marian David نے اپنی کتاب Closing the gender gap (1990) میں تانیثیت پر بحث کرتے ہوئے اسے صرف تین اہم رجحانات روشن خیال، تانیثیت، انتہا پسند تانیثیت اور مارکسی یا سوشلسٹ تانیثیت میں تقسیم کیا ہے، جبکہ Patricia J. Sikes and Lynda Meason نے اپنی کتاب Gender and Schools میں تانیثیت کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ روشن خیال تانیثیت، انتہا پسند تانیثیت اور سوشلسٹ کے علاوہ انھوں نے تحلیل نفسی تانیثیت کو بھی شامل کیا ہے۔مگر تانیثیت کے مفکرین نے تانیثیت کو دس اقسام میں تقسیم کیا ہے، جو ذیل میں دیے گئے ہیں:

(۱) **روشن خیال تانیثیت** (Liberal Feminism):-روشن خیال تانیثیت اس بات پر اصرار کرتی ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی تمام شعبوں میں یکساں آزادی ملنی چاہیے۔ان کے مطابق کوئی بھی قانون اور روایت اگر مرد اور عورت میں امتیاز یا یکسانیت کے راستے میں حائل ہو تو اس کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔

(۲) **شدت پسند تانیثیت** (Radical Feminism):-اس کے مفکرین کا ماننا تھا کہ صنف کو جنس سے الگ سمجھنا چاہیے۔اس سے عورتیں مردوں کی محکوم نہیں رہیں گی۔عورتیں چونکہ جسمانی اعتبار سے

مردوں کے مقابلے میں کمزور ہوتی ہیں اس لیے وہ احساس کمتری میں گرفتار رہتی ہیں، اس کے علمبرداروں نے کھل کر پدرانہ نظام زندگی کی مخالفت کی۔

(۳) **سوشلسٹ تانیثیت** (Socialist Feminism):- اس کے مفکرین سرمایہ دار اور پدرانہ نظام کے سخت مخالف ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ عورتوں کے مسائل اور ان کے استحصال کے لیے یہ دونوں نظام ہی ذمہ دار ہیں۔ اس کے حامیوں نے عورتوں کو دو طبقوں میں تقسیم کر کے یعنی گھریلو زندگی بسر کرنے والی خواتین اور روزگار کرنے والی عورتیں، ان کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔

(۴) **ترقی پسند تانیثیت** (Progressive Feminism):- ترقی پسند تانیثیت کا مقصد عورتوں میں بیداری اور خودمختاری پیدا کر کے ان کو اندر سے بدلنا تھا۔ اس تحریک کے علمبردار مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کرتے، جس سے مرد عورتوں پر حاوی نہیں ہوں گے اور محض لذت اور مسرت کے لیے ان کا استحصال نہیں کریں گے۔

(۵) **سیاہ فام تانیثیت** (Black Feminism):- سیاہ فام عورتوں کا ماننا تھا کہ سفید فام عورتوں نے انھیں اس تحریک کا حصہ نہیں بنایا۔ جس کے سبب یہ تحریک انھیں انصاف دلانے سے قاصر ہے۔ سیاہ فام عورتوں کے ظلم وستم میں سفید فام عورتیں بھی شامل ہیں اس کے علاوہ ان کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ مغربی ممالک میں سیاہ فام عورتوں کے ساتھ سیاہ فام مردوں کا بھی استحصال ہوتا ہے اس لیے اس تحریک میں سیاہ فام مردوں کو بھی بطور مظلوم شامل کرنا چاہیے۔

(۶) **لیسبین تانیثیت** (Lesbian Feminism):- اس تھیوری سے تعلق رکھنے والی خواتین نے مردوں کے ہم جنسیت کے رجحان کو بنیاد بنا کر عورتوں کی ہم جنسیت کو برقرار رکھنے کی مانگ کی۔ ان کا ماننا تھا کہ جنسی آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے اس لیے وہ کسی روایتی قدر اور مذہبی امر کا لحاظ نہیں کریں گی۔ ان کا حکومت سے یہ بھی مطالبہ تھا کہ سماج میں ہم جنسیت کو تحفظ دیا جائے۔

(۷) **تحلیل نفسی پر مبنی تانیثیت** (Psychoanalytic Feminism):- اس کے علمبرداروں کا ماننا ہے کہ عورتوں پر جبر و استحصال کی جڑیں انسانی نفسیات میں موجود ہیں اور اس قید سے باہر نکلنے کے لیے عورتوں کو خود کوشش کرنی پڑے گی۔ تحلیل نفسی پر مبنی تانیثیت میں انسانی نفسیات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ عورتوں

کی آزادی اور خودمختاری پر زور دیتا ہے اور اس کے علمبردار بچوں کی پرورش میں مرد اور عورت دونوں کا برابر مطالبہ کرتے ہیں، جس سے بچے کو مرد اور عورت دونوں کا پیار ملے اور سماج میں یکسانیت برقرار رہے۔

(۸) جدید تانیثیت (Modern Feminism):- جدید تانیثیت میں سائنس اور ٹکنالوجی کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ جدیدیت کے زیر اثر سائنس نے بھی جنسی تعصب پر کڑی تنقید کی ہے۔ سائنس دانوں کا ماننا ہے کہ مرد اور عورت فطرتاً کمزور اور طاقتور جیسے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔ اس طرح ان کا مرکز دو شاخوں پر مبنی ہے۔ ذہن بمقابلہ فطرت، دلیل بمقابلہ معروضیت، معروضیت بمقابلہ موزونیت، مجرد بنام ٹھوس، باہم متصادم ہیں۔ ان کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ پہلے والے نے دوسرے والے پر اپنی برتری قائم کی ہے اور اسی رشتے کو جدید تانیثیت نے مردوں اور عورتوں کے رشتوں سے جوڑا ہے۔

(۹) مابعد جدید اور پس ساختیاتی تانیثیت (Post Moderm and Post Structuralist Feminism):- مردوں نے عورتوں پر اپنے جابرانہ نظام کے تحت اسے ہمیشہ سے نظرانداز کیا ہے۔ مابعد جدید اور پس ساختیاتی تانیثیت اس بات پر زور دیتی ہے کہ عورت کو سماجیاتی اور لسانیاتی تناظر میں ہی بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ سماج نے ہمیشہ عورت کے ساتھ غیر مساوی سلوک کیا ہے۔

(۱۰) مادیت پرست تانیثیت (Materialist Feminism):- مردوں کے جبر و استحصال اور محکومیت کے خلاف اس تحریک کا بنیادی مقصد عورتوں کو خاندانی اور بین الاقوامی سطح پر آزادی دلانا ہے۔ اس نظریہ میں ثقافتی تانیثیت، اسلامی تانیثی نظریہ اور گاندھیائی تانیثی نظریہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ انہی تینوں نظریات کی روشنی میں تانیثیت کو بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ اس نظریے کے علمبرداروں کا ماننا ہے کہ عورت کو اقتصادی طور پر خود کفیل اور خودمختار ہونا چاہیے۔ اگر عورت خود کفیل ہوگی تو یقیناً خاندان مستحکم اور اقتصادی طور پر مضبوط ہوگا۔

تانیثیت کے آغاز و ارتقا کے سلسلے میں مختلف لوگوں کے مختلف خیالات ہیں۔ کچھ محققین کا ماننا ہے کہ Feminism زمانہ قدیم میں بھی موجود تھی۔ یہ کہنا بھی غلط نہ تھا دراصل اس تحریک کا آغاز اس دن ہوا جب عورتوں کو شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ معاشرے میں اسے کمتر درجہ کیوں حاصل ہے۔ آخر کیوں اسے Second Sex اور مردوں کو First Sex کا نام دیا گیا۔

تانیثیت کی تحریک کو ہم تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ تانیثیت کی پہلی لہر انیسویں صدی کے وسط میں برطانیہ میں اس وقت وجود میں آئی جب وہاں کی متوسط طبقے کی خواتین نے بار براڈ یکون بیسی ریزیارکس کی سربراہی میں اپنے حق کے لیے آواز اٹھائی۔ اس جدوجہد نے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ اس کے علمبرداروں نے عورتوں کی تعلیم، شادی اور روزگار کے مواقع کے متعلق خواتین کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور اس میں انھیں کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ تانیثیت کی پہلی لہر پہلی عالمی جنگ (۱۹۱۸ء-۱۹۱۴ء) تک جاری رہی۔ تانیثیت کی دوسری لہر کا زمانہ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۹۰ء کے درمیان کا ہے۔ یہ تحریک کے عروج کا زمانہ تھا۔ اس دور میں تانیثیت نے شعروادب میں بہت ترقی کی۔ غرض یہ کہ ہر زبان کی اصناف میں تانیثیت کے موضوع پر شاعروں اور ادیبوں نے اپنے جذبات کی عکاسی کی۔ اس دوران یہ تحریک نہ صرف برطانیہ بلکہ دوسرے یورپی ممالک اور امریکہ تک پھیل گئی۔ مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی عورتوں کے حقوق کی پاسداری کے لیے ہر جگہ آواز بلند ہونی شروع ہو چکی تھی۔

تانیثی تحریک کی تیسری لہر بیسویں صدی کے آخری دہائی سے ذرا قبل نمودار ہوئی۔ اسے جدید تانیثیت بھی کہتے ہیں۔ یہ لہر دوسری تانیثی تحریک کی ناکامی سے پیدا ہونے والی صورت حال کے سبب وجود میں آئی۔ اس تحریک سے نوجوان شاعرات اور ادیبہ وابستہ ہوئیں۔ نتیجے کے طور پر عورت کی ایک نئی شبیہ ابھر کر سامنے آئی۔ تیسری لہر کے سبب ان سبھی عورتوں کو برابری کا حق حاصل ہوا، جو مختلف نسل، طبقے، قومیت، مذہب اور تہذیبی وثقافتی بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس دور میں عورتوں کی سماجی، سیاسی اور معاشی مختاریت کے ساتھ ساتھ ان کی انفرادی مختاریت پر بھی زور دیا گیا۔ اس تحریک کے ذریعہ عورتوں میں اپنا تشخص یا پہچان خود قائم کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔

اردو تنقید میں تانیثیت کا رجحان

اردو ادب میں تانیثیت پر کم توجہ دی گئی ہے، جس طرح مغرب میں تانیثی روایت کو مستحکم کرنے کا کام کیا گیا ہے اس طرح اردو میں بہت کم ایسے شاعر وادیب ملتے ہیں، جنھوں نے خواتین کے مسائل پر احتجاج کیا ہو۔ اردو میں تانیثیت کی ابتدا انیسویں صدی کے اواخر میں ہوئی۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس دور میں خواتین کے حقوق کی پہلی آواز کسی عورت نے نہیں بلکہ ایک مرد ڈپٹی نذیر احمد نے اٹھائی۔ نذیر احمد نے اپنے ناولوں خاص کر 'مراۃ العروس' میں عورتوں کی پریشانیوں اور تعلیم کی اہمیت کو قلمبند کیا۔ ترنم ریاض ایک جگہ رقم طراز ہیں:

> ''دلچسپ بات ہے کہ اس دور میں خواتین ادیبوں کی تحریروں کا ایجنڈا کسی خاتون نے نہیں بلکہ ایک مرد نے تیار کیا اور وہ شخصیت ہیں ڈپٹی نذیر احمد، نذیر احمد نے مراۃ العروس میں اصغری کے کردار کے ذریعہ ایک رول ماڈل تیار کیا اور یہ رول ماڈل اردو ادب میں خاصی دیر تک ڈولتا رہا۔ اصغری کا کردار جو دینی علوم کے علاوہ دنیاوی علوم، تاریخ، سائنس، جغرافیہ اور جنرل نالج سے مالا مال تھا مسلمان اردو داں طبقے میں ایک ماڈل کی حیثیت سے تقریباً آدھی صدی تک مقبول رہا۔''[۱۱]

نذیر احمد کے علاوہ پنڈت رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر، راشدالخیری، مرزا محمد ہادی رسوا، پریم چند، کرشن چند، راجندر سنگھ بیدی اور قاضی عبدالستار نے اپنے ناولوں کے ذریعہ عورتوں کے حقوق کے لیے آواز اٹھائی وہیں دوسری طرف شاعری میں حالی کی 'مجالس النساء' اور 'چپ کی داد'، کریم الدین کی 'تعلیم النساء' اور آزاد کی 'نصیحت کا کرن پھول' عورتوں کے حقوق پر لکھی گئی کتابیں ہیں۔ ان کتابوں کو پڑھ کر عورتیں نہ صرف شعر وادب کی طرف مائل ہوئی بلکہ ان کی تخلیقی صلاحیت بھی ابھر کر سامنے آئی۔ مثال کے طور پر حالی کی نظم 'چپ کی داد':

> بیاہی گئیں اس وقت تم، جب بیاہ سے واقف نہ تھیں
> جو عمر بھر کا عہد تھا وہ کچے دھاگے سے بندھا
> بیاہا تمہیں ماں باپ نے اے بے زبانوں اس طرح
> جیسے کسی تقصیر پر مجرم کو دیتے ہیں سزا

گو نیک مرد اکثر تمہارے نام کے عاشق رہے
پر نیک ہو یا بد رہے سب متفق اس رائے پر
جب تک جیو تم علم و دانش سے رہو محروم یاں
آئی ہو جیسی بے خبر ویسی ہی جاؤ بے خبر
جو علم مردوں کے لیے سمجھا گیا آب حیات
ٹھہرا تمہارے حق میں وہ زہر ہلاہل سربسر
آتا ہے وقت انصاف کا نزدیک ہے یوم حساب
دنیا کو دینا ہوگا ان حق تلفیوں کا واں جواب
(چپ کی داد)

حالی کو خواتین کی بدحالی کا بخوبی اندازہ تھا اور انھوں نے خواتین کے حقوق کے لیے نہ صرف تحریری طور پر آواز بلند کی بلکہ پانی پت میں عورتوں کا ایک مدرسہ بھی کھولا۔

اردو ادب میں دو تحریکات یعنی علی گڑھ تحریک اور ترقی پسند تحریک کی بدولت عورتوں میں تغیر پیدا ہوا۔ سرسید کی علی گڑھ تحریک نے ہندوستان کے مسلمانوں میں بیداری پیدا کی لیکن اس کا فائدہ عورتوں کو کم ہی ہوا۔ عورتوں نے اپنے اپنے طور پر تعلیم کی اہمیت کو سمجھنا شروع کیا۔ ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک کے آغاز کے ساتھ ہی اردو ادب میں ایک روشن باب کی ابتدا ہوئی، جس میں صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں بھی برابر کی شریک تھیں ۔ اگر تاریخی روایات پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہوگی کہ عورتوں کو ایک لمبے عرصے تک اپنے اظہار خیال کو شعر و ادب کے ذریعہ بیان کرنے سے محروم رکھا گیا تھا۔ چونکہ اردو ادب کی ابتدا شاعری سے ہوئی اس لیے لوگوں کا خیال تھا کہ اس فن کا تعلق کوٹھے اور طوائفوں سے ہوتا ہے، جس کی وجہ سے باعزت اور شریف گھرانوں کی عورتوں کا شاعری کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا لیکن وقت کے بدلنے کے ساتھ لوگوں کے خیالات میں بھی تبدیلیاں آئیں اور خواتین نے بھی شاعری کے میدان میں قدم رکھا۔ آزادی سے قبل جن شاعرات نے ادب تخلیق کیا ان میں زیب النساء، مہ لقا چندا، مخفی، بیگم جینا، بیگم، تصویر، بسم اللہ، ز۔ خ۔ ش۔ جعفری، فاطمہ، اختر، زہرہ، حجاب، خاکساری وغیرہ کا نام قابل ذکر ہے۔

آزادی سے قبل بھی خواتین کو اپنی بدحالی اور مردوں کے ظلم وستم کا احساس تھا۔انھوں نے ادب میں بھی اس کا ذکر کیا۔ ز.خ.ش. نے اپنی ایک نظم میں اس کی بہت عمدہ عکاسی کی ہے:

ڈاکٹر کہتے ہیں در کھولو ہوا آنے دو
سنگدل کہتے ہیں، ہرگز نہیں مرجانے دو
خود بھلے بنتے ہیں اوروں کو برا کہتے ہیں
ناقص العقل ہیں یہ عقلا کہتے ہیں
پُردغا کہتے ہیں بے مہر و وفا کہتے ہیں
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا کہتے ہیں
ان کو رہ رہ کے ستاتا ہے یہ بے اصل خیال
گھر میں پڑھ لکھ کے خواتین کا رکنا ہے محال
کہیں اٹھے نہ مساوات کا غم: خیز خیال
کہیں ہو جائے نہ مردوں کی حکومت کا زوال

ز.خ.ش. اردو شاعری کا ایک اہم نام ہے۔ وہ پہلی شاعرہ ہیں جنہیں ان کے کلام کی وجہ سے نظرانداز کرنا ممکن نہیں تھا۔انھوں نے عورتوں کے حقوق کے لیے آواز بلند کی اور بہت حد تک اس میں کامیاب بھی رہیں۔

عورتوں کے حق میں ہر مذہب کا ہر ملت کا فرد
جانور تھا، دیوتا، عفریت تھا، شیطان تھا
باپ ہو، بھائی ہو، شوہر ہو کہ ہو فرزند وہ
مرد کل اشکل میں فرعونِ بے سامان تھا
مرد کی نا آشنا نظروں میں عورت کا وجود
اک مورت ایک کھلونا ایک تن بے جان تھا

آزادی سے قبل بیشتر شاعرات کی شاعری کے موضوعات عموماً عشق و عاشقی ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر:

تصور اس صنم کا دل میں لائے جس کا جی چاہے
ہماری بات سن کر آزمائے جس کا جی چاہے
کہا منصور نے سولی پہ چڑھ کے عشق بازوں سے
یہ اس کے بام کا زینہ ہے آج جس کا جی چاہے
(جعفری)

درد دل، درد جگر، کاوش دل کا ہش جاں
اتنے آزار ہیں اور ایک کلیجہ میرا
(خرماں)

محبت اب تلک رکھتی ہے یہ تاثیر مجنوں کی
کہ بن لیلیٰ نہیں کھنچتی کہیں تصویر مجنوں کی
(تصویر)

آزادی کے بعد بالخصوص ۱۹۶۰ء کے بعد خواتین نے شاعری میں اپنی ایک الگ پہچان بنائی۔ ان شاعرات نے بڑی بیباکی کے ساتھ مرد اساس معاشرے کو تنقید کا نشانہ بنایا اور تانیثیت کی تحریک کا باضابطہ آغاز کیا۔ آمنہ ابوالحسن، بانو قدسیہ، ادا جعفری، ترنم ریاض، ثروت خاں، خالدہ حسین، خدیجہ مستور، ذکیہ مشہدی، کشور ناہید، فاطمہ حسن، فہمیدہ ریاض، پروین شاکر، زہرہ نگار، شہناز نبی، سلطانہ مہر، شفیق فاطمہ شعریٰ، سارا شگفتہ، زرین یٰسین وغیرہ شاعرات نے اردو کے دامن کو وسیع کیا۔ نمونے کے طور پر ان شاعرات کے چند کلام ذیل میں دیئے جاتے ہیں:

حرف آغاز بھی میں نقطۂ انجام بھی میں
کل کی امید بھی میں آج کا پیغام بھی میں
(ادا جعفری)

فاختہ بن کے اڑنے کو جی چاہتا ہے
پر آجائیں تو گھر میں چھپ جاتی ہوں
(کشور ناہید)

آراستہ تو خیر نہ تھی زندگی کبھی
پر تجھ سے قبل اتنی پریشاں بھی نہ تھی
(پروین شاکر)

جو ہم پر جان دینے کے سدا کرتے رہے دعوے
پڑا جب وقت تو پہلے انہیں کی بے رخی دیکھی
(ریحانہ عاطف)

ابتدا میں ان شاعرات نے جذباتی اور تاثراتی شاعری کی مگر جلد ہی مردوں کے حاکم اور عورتوں کی مظلومیت کے جذبات کو شاعری میں پیش کرنا شروع کر دیا۔ ان اشعار میں عورتوں کی محکومی صاف طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔ قمر جہاں اس بارے میں رقم طراز ہیں:

''خواتین کے یہاں مرد اساس معاشرہ سے بغاوت کا لہجہ آہستہ آہستہ تیز ہوتا جارہا ہے۔ اب وہ وفا کی دیوی اور حیا کی مورت کی جگہ ایک نئے پیکر میں ابھر رہی ہیں۔ جہاں اپنے وجود اور اپنی ذات کا احساس ہی ان پر حاوی ہے۔''[۱۲]

قمر جہاں کے اس اقتباس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ کس طرح عورتوں نے دھیرے دھیرے پرانے قیود کو توڑنے کی کوشش کی۔ اس زمانے کی شاعری سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رائج نظام خواتین کو ان کی ذہنی وفکری آرزوؤں کو آگے بڑھنے سے روک رہا ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ ان کے اشعار میں بغاوت کا جذبہ تیز ہونے لگا۔ فاطمہ حسن کے اشعار نے خواتین کو مردوں کے برابر لا کھڑا کر دیا۔ شعر ملاحظہ کریں:

آنکھوں میں نہ زلفوں میں نہ رخسار میں دیکھیں
مجھ کو مری دانش مری افکار میں دیکھیں

پوری نہ ادھوری ہوں نہ کمتر ہوں، نہ برتر
انسان ہوں انسان کے معیار میں دیکھیں
(فاطمہ حسن)

فاطمہ حسن کے علاوہ فہمیدہ ریاض اپنی نظم 'کب تک' میں لکھتی ہیں:

کب تک مجھ سے پیار کرو گے
کب تک؟
جب تک میرے رحم سے بچے کی تخلیق کا خون بہے گا
جب تک میرا رنگ ہے تازہ
جب تک میرا انگ تنا ہے
پر اس سے آگے بھی تو کچھ ہے
وہ سب کیا ہے
کسے پتہ یہ وہیں کی ایک مسافر میں بھی
انجانے کا شوق بڑا ہے
پر تم میرے ساتھ نہ ہونا تب تک
(کب تک-فہمیدہ ریاض)

فہمیدہ ریاض اردو کی واحد شاعرہ ہیں جن کی شاعری میں مردوں کے استحصال کے خلاف باغی رویہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس نظم میں وہ مردوں سے بیباکی کے ساتھ سوال کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ فہمیدہ ریاض کی نظمیں تانیثیت کی واضح مثال ہیں۔ فہمیدہ ریاض کے بعد تانیثی نظم نگاری میں ایک اہم نام کشور ناہید کا ہے، جنھوں نے اپنی نظموں کے ذریعہ عورتوں کے خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

مجھے سزا دو کہ میں نے اپنے لہو سے تعبیر خواب لکھی
جنوں بریدہ کتاب لکھی
مجھے سزا دو کہ میں نے تقدیس خواب فردا میں جاں گزاری

بہ لطف شب زادگاں گزاری

مجھے سزا دو

کہ میں نے دوشیزگی کو سودائے شب سے رہائی دی ہے

مجھے سزا دو

کہ میں جیوں تو تمہاری دستار گر نہ جائے

مجھے سزا دو

کہ میں تو ہر سانس میں نئی زندگی کی خوگر

حیات بعد ممات بھی زندہ تر رہوں گی

مجھے سزا دو

کہ پھر تمہاری سزا کی میعاد ختم ہوگی

(کشور ناہید)

اس کے برعکس شہناز نبی اپنی نظموں کے ذریعہ مرد اساس معاشرے سے یہ سوال کرتی ہوئی نظر آتی ہیں:

تم بھی مٹی/ میں بھی مٹی

تم کورے میں جھوٹی کیوں؟

تم سونا میں کھوٹی کیوں؟

مگر شہناز نبی کے ان سوالات کے جواب کسی کے پاس نہیں ہیں۔

شاعری کے برعکس اگر اردو فکشن پر نظر ڈالی جائے تو پہلی ناول نگار رشیدۃ النساء مانی جاتی ہیں۔ ان کا ناول اصلاح النساء ۱۸۹۴ء میں منظر عام پر آیا۔ اس ناول کے دیباچے میں مصنفہ نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ مسودہ ۱۲ سال یوں ہی پڑا رہا۔ اس طرح اگر غور کیا جائے تو یہ ناول ۱۸۸۱ء میں لکھا گیا تھا مگر اس کی اشاعت دیر سے ہوئی۔ یہ ناول انھوں نے نذیر احمد کے ناولوں سے متاثر ہو کر لکھا تھا۔ ان کے بعد محمد بیگم نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ انھوں نے اپنے ناولوں کے ذریعہ بچپن کی شادی کے خلاف آواز اٹھائی اور سماج کی مذموم رسم و رواج کو ختم کرنے کا مشورہ دیا۔ ان کے علاوہ اکبری بیگم، مسز عباس، طیبب

جی، صغرا ہمایوں، مرزا عباسی بیگم، بیگم شاہنواز، مسز عبدالقادر اور نذر سجاد وغیرہ نے عورتوں پر ہونے والے ظلم کے خلاف آواز اٹھائی اور اپنے ناولوں میں حقوق نسواں اور تعلیم نسواں کی اہمیت کو پیش کیا۔

اردو میں تانیثیت کی واضح جھلک بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں نظر آتی ہے۔ اس عہد میں یہ رجحان دو طرح کے تھے ایک خالص تانیثی اور دوسرا تانیثی لب و لہجے پر۔ رشید جہاں کا نام خالص تانیثی تخلیق کار کے طور پر لیا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنے بیباک افسانوں اور ڈراموں کے ذریعہ اردو ادب میں ہنگامہ برپا کردیا۔ رشید جہاں وہ پہلی خاتون تھیں جنھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ سماج میں عورتوں اور مردوں کے لیے بنائے گئے دو الگ مروجہ اصولوں اور معیاروں پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے ''انگارے'' (۱۹۳۲ء) کی اشاعت کے ساتھ ادبی دنیا میں قدم رکھا۔ انگارے میں ان کا ایک افسانہ 'دلی کی سیر' اور ایک ڈرامہ 'پردے کے پیچھے' شامل ہے۔ رشید جہاں کی بے باکی اور جارحانہ رویے کی نشاندہی کرتے ہوئے سیما صغیر اپنی کتاب 'ڈاکٹر رشید جہاں' میں لکھتی ہیں:

> ''وہ معاشرے میں واضح تبدیلی لانا چاہتی تھیں۔ اس لیے انھوں نے آزادیٔ نسواں کے تئیں معاصر خواتین افسانہ نگاروں کی طرح مصالحانہ نہیں بلکہ جارحانہ رویہ اختیار کیا۔ پسند کی شادی کی اجازت، جہیز، مہر، طلاق اور وراثت کے حقوق کو موضوع بنایا۔ قدامت پرستی کے خلاف نڈر ہوکر صدائے احتجاج بلند کی۔ سماج کی فرسودہ روایات، ذات پات اور نئی پرانی نسل کے بیچ حائل گتھیوں کو موضوع بنا کر متحرک کرداروں کی تخلیق کی۔ متوسط طبقہ کی مسلم خواتین کی نفسیاتی پیچیدگیوں اور گھٹی گھٹی زندگیوں سے وابستہ مسائل اور ذہنی پسماندگی کو اپنے افسانے میں خصوصی اہمیت دی۔ مرد کی حاکمانہ برتری، تذلیل اور تضحیک آمیز رویہ کو بے نقاب کرتے ہوئے عورت کو سماج میں باعزت طریقے سے جینے کا حقدار بنایا اور ایک طرح سے عورت کو قوت گویائی عطا کی۔'' (ص:۱۰۴)

رشید جہاں کے بعد عصمت چغتائی نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ ان کا لب ولہجہ، تحریر اور انداز خالص تانیثی تھا۔ عورتوں کے جذبات، ان کے سماجی حالات اور جنسی موضوعات عصمت کی تحریروں میں صاف طور سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ عصمت نے پہلی بار اپنے افسانوں اور ناولوں میں عورتوں کے

نفسیاتی اور جنسی مسائل کو پیش کر کے ہنگامہ برپا کر دیا۔ عصمت کا ناول ''دل کی دنیا، ٹیڑھی لکیر، ضد
اور افسانوں میں ''لحاف، چابڑے، ننھی کی نانی، بیکار، بہو بیٹیاں، سونے کا انڈا، چوتھی کا جوڑا'' وغیرہ
میں تانیثیت کی واضح جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

عصمت نے اپنے ناول 'ٹیڑھی لکیر' میں شمن کے کردار کے ذریعہ ایک ایسی لڑکی کی تصویر پیش کی
ہے جو معاشرے میں بغیر ڈر و خوف کے نامساعد حالات کا مقابلہ کرتی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

''مگر شمن زندہ نہیں ہے بلکہ جاندار ہے۔ اس پر مختلف حملے ہوتے ہیں لیکن ہر حملے
کے بعد وہ پھر ہمت باندھ کر سلامت اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ وہ ہر امتحان سے گزر کر
پرسکون انداز میں اپنا سر تکیے پر لٹکا دیتی ہے، ٹھنڈے دل سے سوچ بچار کرنے کے
بعد دوسرا قدم اٹھاتی ہے۔ یہ اس کا تصور نہیں کہ وہ بے حد حساس ہے اور ہر چوٹ پر
منھ کے بل گرتی ہے مگر پھر سنبھل جاتی ہے۔'' ('ٹیڑھی لکیر' ص: ۲۳۳)

عصمت کے بعد قرۃ العین حیدر کے ناولوں اور افسانوں میں تانیثیت کی واضح تصویر دیکھنے کو ملتی
ہے۔ انھوں نے عورت کے استحصال، سماج میں اس کی حیثیت اور جنسی مسائل کو بڑے فنکارانہ طور پر اپنے
ناولوں اور افسانوں میں پیش کیا ہے۔ ان کے ناول ''اگلے جنم موہے بٹیا نہ کیجیو'' اور ''تلاش بہاراں''
تانیثی نقطۂ نظر پر لکھا گیا ناول ہے۔ مثال کے طور پر 'یادوں کی دھنک جلے' کا ایک اقتباس:

''ازل سے اب تک عورت ہی وہ مخلوق ہے جس کی قسمت میں ساری بدنصیبیاں
لکھی ہوئی ہیں۔ یہ عورت ہی ہے جو ساری عمر مرد کی مختلف قسموں سے محبت
کرنے کے بعد بھی ٹھکرا دی جاتی ہے۔ کبھی مرد اسے شوہر کے روپ میں ٹھکرا دیتا
ہے، کبھی بیٹا ماں کے روپ میں، محبوب محبوبہ کے روپ میں، عورت اس کے
باوجود ان تمام مختلف روپوں سے بے انتہا پیار کرتی ہے۔ یہ عورت ہی ہے جو اپنی
بے چارگی، اپنی مجبوریوں اور مایوسیوں کا رونا رونے کے لیے گرجا گھروں،
مندروں، تیرتھ استھانوں، درگاہوں اور مزاروں میں جاتی ہے اور اپنی بے بسی کا
شکوہ کرتی ہے۔'' ('یادوں کی دھنک جلے'، صفحہ: ۱۳)

قرۃ العین کے بعد جیلانی بانو ادب میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انھوں نے دو مشہور ناول ایوان

غزل اور بارش سنگ میں عورتوں کے استحصال اور پدرانہ سماج کی زیادتیوں کو بڑے دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔

تقریباً بیالیس کتابوں کی مصنفہ صالحہ عابد حسین کا تانیثی ادب میں ایک اہم مقام ہے۔ ان کی تحریروں میں اصلاحی رنگ جگہ جگہ موجود ہے۔ ان کے علاوہ صغریٰ مہدی، جمیلہ ہاشمی، بانو قدسیہ، رضیہ فصیح، واجدہ تبسم، قمر جہاں، ثروت خاں، زاہدہ حنا وغیرہ نے تانیثیت کی روایت کو آگے بڑھایا۔

تانیثی تنقید

فن پارے کی جانچ پرکھ اور صحیح قدر و قیمت متعین کرنا تنقید ہے۔ تنقید نگار شعر و ادب کا مطالعہ بعض اصولوں کی روشنی میں کرتا ہے، جو تنقید ان اصولوں سے بحث کرتی ہے۔ اسے نظری تنقید کہتے ہیں۔ لیکن جب ان اصولوں اور نظریات کا اطلاق کسی فن پارے پر کیا جاتا ہے تو اسے عملی تنقید کہتے ہیں۔ تنقید کے تمام دبستانوں میں دونوں قسمیں پائی جاتی ہیں۔ بعض ناقدین دبستان کے مقاصد اور ان کی خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ اصول بناتے ہیں، جن کی بنیاد پر فن پارے کی قدر و قیمت متعین کی جاتی ہے۔

اردو ادب میں تنقید کے مختلف دبستانوں میں تانیثی تنقید کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ اس دبستان میں عام طور سے عورتوں کی تخلیقات کو بحث کا موضوع بنایا جاتا ہے۔ تانیثیت کا بنیادی مقصد عورتوں کو مردوں کے برابر سماجی، سیاسی، معاشی اور تعلیمی آزادی دلانا تھا اور اس مقصد میں یہ تحریک کس حد تک کامیاب ہوئی یہ الگ بحث کا موضوع ہے۔ اردو ادب میں تانیثی تنقید کو اس حد تک ترقی حاصل نہ ہو سکی جس کی وہ مستحق تھی لیکن اگر مغربی ادب کے حوالے سے تانیثی تنقید کو دیکھا جائے تو اس کا تاریخی پس منظر بہت وسیع اور متنوع نظر آئے گا۔ تانیثیت جہاں ایک طرف کلاسیکی ادب سے اپنا رشتہ استوار کرتی ہے وہیں دوسری طرف جنسی مطالعات (Gender Studies) اور مطالعات نسواں (Women's Studies) کو بھی نظریاتی اعتبار سے اپنے دائرہ فکر میں لاتی ہے۔ ابتدا میں تانیثی تنقید عورتوں کے حالات اور ان کے کردار تک ہی محدود تھی لیکن تانیثیت کی تیسری لہر کے آغاز کے بعد اس کا دامن وسیع ہوا اور جنس (Gender) سے متعلق دوسرے تصورات کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ تانیثی تنقید دراصل عورت کو نہ صرف ادب میں وہ

مقام دلاتی ہے، جس کی وہ مستحق ہے بلکہ عورت کے نقطۂ نظر کے فقدان کی تلافی بھی کرنا جانتی ہے۔ تانیثی تنقید کے مقاصد بیان کرتے ہوئے نسیم اختر رقم طراز ہیں:

''تانیثی تنقید کسی ادب پارے میں اس بات کی متلاشی ہوتی ہے کہ اس میں خواتین کے کردار کی تصویر کشی کس انداز سے اور کس حد تک کی گئی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ روایتی ادبی مطالعے میں خواتین کے نظریات اور ان کی نمائندگی کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ ان کا یہ بھی استدلال ہے کہ صدیوں سے خواتین کی ادب میں شرکت کو نہ صرف نظر انداز کیا گیا ہے بلکہ ان کی غلط نمائندگی بھی کی گئی ہے۔'' ۱۳

Sandra Gilbert تانیثی تنقید پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" Feminist criticism wants to decode and demystify all the disguised question and answer that have always shadowed the connection between textuality and sexuality gender and gender psycho sexual identify and cultural authority."

(Modern Criticism and theory - edited by David Lodge London Longman - 1994 Page No. 334

تانیثی تنقید کی اس تعریف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مرد اساس معاشرے نے خواتین کو صرف سماجی اور سیاسی طور پر ہی نہیں بلکہ ادبی دنیا میں بھی وہ مرتبہ نہیں دیا جس کی وہ مستحق تھی۔ اس لیے تانیثی ناقدین کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ خواتین کی ادبی تاریخ کو از سر نو دریافت کرنا بہت ضروری ہے چونکہ ادبی تاریخ میں یا تو انھیں نظر انداز کر دیا جاتا تھا یا پھر حاشیے پر لا کر کھڑا دیا جاتا تھا۔ لہٰذا جب تک ان کی ایک مربوط ادبی تاریخ تیار نہیں ہو جاتی تب تک ان کی ادبی حیثیت کو یوں ہی نظر انداز کیا جاتا رہے گا۔ اس لیے تانیثی ناقدین کے یہاں ادبی روایت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ تانیثی ناقدین نے کسی فن پارے کی قدر و قیمت متعین کرنے کے کئی مدارج بیان کیے ہیں، جس کی وضاحت کرتے ہوئے شمس الرحمٰن فاروقی لکھتے ہیں:

''تانیثی تنقید کے کئی مدارج یا مراتب ہیں مثلاً سب سے زیادہ مبدیانہ مرتبہ تو یہ ہے کہ عورتوں کے بنائے ہوئے متون کا مطالعہ اس طرح کیا جائے کہ ان کو وہ اہمیت مل سکے جس کی وہ مستحق ہیں اور جو انہیں اب تک نہیں مل سکی

تھی ....تانیثی تنقید کا دوسرا درجہ یہ ہو سکتا ہے کہ مردوں کے بنائے ہوئے
متون کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے کیا جائے کہ ان میں عورتوں کے بارے میں کیا
تصورات اور اصول شعوری طور پر پیش کیے گئے ہیں یعنی عورتوں کے بارے
میں قوانین، پابندیاں، تصورات، مفروضات، تعصبات وغیرہ جو معاشرے
میں رائج ہیں وہ مردوں کے بنائے ہوئے متون میں کس حد تک رائج ہیں
اور کس طرح اور کس نقطۂ نظر سے پیش کیے گئے ہیں۔''۱۴

شمس الرحمٰن فاروقی کے اس اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تانیثی ناقدین نے ادب پارے کے تجزیے کے کچھ اصول مرتب کیے، جن کی بنیاد پر ہی کسی فن پارے کی قدر و قیمت متعین کی جاسکتی ہے۔ ان کے مطابق عورتوں کے تخلیق کردہ متون کا مطالعہ اس طرح سے کیا جائے کہ ان کو وہ اہمیت حاصل ہو سکے، جس کی وہ مستحق ہیں۔ مثال کے طور پر کسی مصنفہ کا مطالعہ کر کے یہ بتایا جائے کہ اس کو وہ مقام ملا ہے کہ نہیں یا صرف عورت ہونے کے سبب اس کے ساتھ ناانصافی تو نہیں کی گئی۔ اس کے علاوہ تانیثی ناقدین کا یہ بھی منصب ہے کہ وہ گمنام عورتوں خواہ وہ اہم ہوں یا غیر اہم ان کی غیر مطبوعہ تحریروں کو دریافت کر کے ان کی اشاعت اور صحیح قدر و قیمت متعین کرے، اس کے ذریعہ نہ صرف عورتوں کی تخلیقات دریافت ہوگی بلکہ اس زمانے کے حالات اور خاص کر عورتوں کے حالات بھی معلوم ہوں گے۔

عتیق اللہ نے تانیثی تنقید کے وضعی مباحث بہت تفصیلی انداز میں بیان کیے ہیں جو ذیل میں ہیں:

۱- ادب تخلیق کرنے والی عورت۔
۲- وہ عورت جو مقررہ ضابطوں اور روایتوں پر قائم ہے اور اپنے نسوانی کرداروں اور موجودہ صورت حال پر قانع۔
۳- وہ عورت جو کلیوں کو توڑنے کے درپے ہے اور تاریخی و تہذیبی جبر کے خلاف روبہ جنگ ہے اور جس کے نسوانی کردار میں فردیت کی جھلک ملتی ہے وہ مرد جس نے عورت کو مرد کے زاویے سے دیکھا ہے یعنی حقیقت فہمی کا مرد اساس تصور جس کے تحت مرد کو ذہن میں رکھ کر نسوانی کرداروں کی تخلیق کی جاتی ہے۔
۴- وہ مرد جس نے اسے ایک فرد کے طور پر دیکھا ہے یا دیکھنے کی سعی کی ہے

بعض مرد ادیبوں نے اصولی طور پر نہیں بلکہ محض ہمدردی کے طور پر اس کی کردار سازی کی ہے جو خود ایک پدرانہ اور مرد اساس تصور ہے۔ مگر بعض مردوں اور عورتوں نے ان سطحوں سے اوپر اٹھ کر تخلیق و تجزیہ کرنے کی بھی سعی کی ہے۔

۵-مرد قاری اور عورت قاری کی مخصوص نفسیات ان کی توقعات اور تعصبات جس کی بوطیقا میں وہ مفعول ہے یا ہسٹریا کی مریض، جذباتی اور فاحشہ ہے یا کوئی دیوی انہیں چند محوروں پر اس کے کردار گردش کرتے رہتے ہیں۔

۶-طبقہ داری اخلاقیات اور تصور جنس اسی طور پر صنف داری اخلاقیات کے مطابق جنسی رعایت یا قدغن۔''[۱۵]

تانیثی تنقید کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ عورتوں کے بارے میں جو اسٹیریو ٹائپ کردار معاشرے میں یا مردوں کے متون میں پائے جاتے ہیں۔ ان کرداروں کا تجزیہ کیا جائے مثلاً عورت ممتا کی دیوی ہوتی ہے مگر سوتیلی ماں حد سے زیادہ ظالم ہوتی ہے۔ عورت نرم و نازک تو ہوتی ہے مگر شوہر کی خدمت اور گھر کے کام کاج کے لیے اس سے زیادہ جفاکش کوئی نہیں۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں ہمیں ادب میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ تانیثی نقادوں نے پرانی تمام روایات جو کہ مرد اساس معاشرے نے بنائی تھیں اس کو رد کر کے نئے تصورات کی بنیاد ڈالی۔ ان کا ماننا تھا کہ مردوں کو ہمیشہ عورتوں پر فوقیت دی جاتی ہے۔ خواہ اس فوقیت کی بنیاد کتنی ہی غیر عقلی، غیر منطقی اور رسمیاتی کیوں نہ ہو۔ اس بارے میں ورجینا وولف لکھتی ہیں کہ اب تک جو ادب خواتین نے تصنیف کیا ہے اس پر مشروط کا جبر ہے یعنی یہ وہ نہیں ہے جو وہ لکھنا چاہتی تھیں بلکہ وہ ہے جو مشروط حالات کے جبر یا قاری کی توقعات کے جبر نے لکھوایا۔ بقول وولف: قاری نے ہمیشہ اسے منفی نقطۂ نظر سے دیکھا اور پڑھا ہے۔ اس سے بھی ایک تکلیف دہ صورت وہ ہے کہ بعض خواتین نے غیر معمولی صلاحیتوں کے باوجود لکھنا ہی ترک کر دیا۔ نسائی تنقید نے فن پارے کے مطالعے کے اس طریق کار کو تبدیل کیا، جس سے نسائی کلچر کے علاوہ لکھنے والی خواتین میں اعتماد پیدا ہوا۔ اس بارے میں مرزا خلیل احمد بیگ اپنے ایک مضمون ''تانیثی تنقید'' میں رقمطراز ہیں:

''تانیثی تنقید کے مقاصد میں یہ بھی شامل ہے کہ خواتین ادیبوں کا مطالعہ اور ان کی تخلیقات کا تجزیہ تانیثی تناظر میں کیا جائے نیز ادب میں جنس پسندی

> (Sexism) کے رجحان کو روکا جائے۔ تانیثی تنقید عورت کی جنسیت کے استحصال پر کڑا رخ اختیار کرتی ہے۔ اکثر مرد ادیب اپنی افسانوی تحریروں میں عورت کی جنسیت کا استحصال کرتے ہیں اور مرد کے ساتھ عورت کے جنسی تعلق کو مبتذل انداز میں پیش کرتے ہیں۔ تانیثی تنقید اس قسم کی تحریروں کی سخت مخالف ہے اور ان پر قدغن لگانا چاہتی ہے۔''[۱۶]

ایلین شووالٹر (Elaine Showalter) نے تانیثی تنقید سے ہی ملتی جلتی ایک اور اصطلاح گائینو کریٹی سزم (Gyno Criticism) استعمال کی ہے۔ اس کا استعمال انھوں نے سب سے پہلے ۱۹۷۹ء میں اپنے مضمون "Toward a Feminist Poetics" میں کیا تھا۔ گائنو کریٹی سزم کو اردو میں نسوانی تنقید یا تنقید نسواں کہہ سکتے ہیں۔ اس میں عورت کی حیثیت مرکزی ہوتی ہے۔ اور یہ تنقید نسوانی فریم ورک میں رہ کر تانیثی ادب کا مطالعہ و تجزیہ کرتی ہے۔ نسوانی تنقید تانیثی تنقید سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ یہ خواتین ادیبوں (Womens's writers) ہی کی تخلیقات کو اپنے مطالعے کا موضوع بناتی ہے، جب کہ تانیثی تنقید مرد ادیبوں کی تخلیقات کا بھی تانیثی تناظر میں مطالعہ و تجزیہ کرتی ہے۔

بعض ناقدین اردو میں تانیثی تنقید کو نسائی تنقید کہتے ہیں۔ دونوں میں بعض بنیادی فرق تو ضرور ہے لیکن انہیں الگ الگ کر کے دو خانوں میں بانٹا نہیں جا سکتا۔ ناصر عباس نیر تانیثی تنقید کی جگہ نسائیت کا لفظ استعمال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''نسوانی تنقید اپنے فکری اور اطلاقی مراحل میں اس احساس سے برابر دوچار رہتی ہے کہ ادبی متن کی تعمیر و تعبیر سے لے کر زندگی اور کائنات کی تفہیم و ثقافت کی تشکیل تک کو مرد نے اپنے Control میں رکھا ہے۔ اسے اپنا حق گردانا ہے اور ایک ایسا کارنامہ قرار دیا ہے جس کو صرف وہی انجام دے سکتا ہے۔ نسوانی تنقید اس دعوے کی صداقت پر شبہے کا اظہار کرتی ہے۔ یوں نسوانی تنقید بیک وقت ریڈیکل، آئیڈیالوجیکل اور پولیٹیکل جہات اختیار کرتی ہے۔''[۱۷]

اردو ادب میں تانیثی تنقید کو اتنا فروغ حاصل نہیں ہو سکا، جتنا مغرب میں ہوا۔ لیکن اردو کے چند ناقدین نے اپنی تحریروں اور تنقیدی شعور کی بنیاد پر اس کے اصول و ضوابط مقرر کیے۔ ان میں شمس الرحمٰن

فاروقی کا مضمون ''تانیثیت کی تفہیم'' دیوبند اسر کا ''تانیثیت تشخص کی تشویش اور لبریشن کا جشن''، قاضی افضال حسین کا ''متن کی تانیثی قرأت''، عتیق اللہ کا ''تانیثیت : ایک مطالعہ''، سید عقیل احمد کا ''تانیثیت ایک تنقیدی جائزہ''، ابوالکلام قاسمی کا ''تانیثی ادب کی شناخت''، فاطمہ حسن کا ''نسائی ادب اور تنقید''، کشور ناہید کا ''ادب اور نسائیت'' وغیرہ مضامین اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے علاوہ ساجدہ زیدی، زاہدہ زیدی، ممتاز شیریں، شہناز نبی، خلیل احمد بیگ اور مولا بخش نے اپنے مضامین کے ذریعہ تانیثی تنقید کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔ ان تمام ناقدین نے اردو میں تانیثی تنقید کے اصول وضوابط مقرر کیے اور آگے چل کر انہیں اصول وضوابط کی روشنی میں رضیہ سلطانہ، رفیعہ شبنم عابدی، علی احمد فاطمی، سیدہ جعفر، قاضی جمال حسین، آفتاب احمد آفاقی، قمر جہاں، شبنم عسائی، یوسف سرمست، صغرا مہدی وغیرہ نے فن پاروں کی قدر وقیمت متعین کی۔

اردو میں بعض خواتین ناقدین مرد وعورت کے ادب کی درجہ بندی کے خلاف تھیں، جن میں قرۃ العین کا نام سرفہرست ہے وہ اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ ''سماجی شعور کی بات کرنے والوں نے ادب کو زنانہ اور مردانہ خانوں میں تقسیم کر کے بہت سی باصلاحیت قلم کاروں کے ساتھ بے انصافی کی ہے۔'' قرۃ العین کے علاوہ ساجدہ زیدی بھی اس درجہ بندی کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے لکھتی ہیں:

> ''سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ادب میں ہمیں خواتین کی تحریروں کا علاحدہ سے جائزہ لینے اور ان کی تعبیر وتنقید کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا ادب صرف ادب نہیں ہوتا، خواہ مردوں کا تخلیق کردہ ہو یا عورتوں کا؟ کیا تانیثی ادب کے الگ معیارات ہوتے ہیں؟ کیا تنقید کے عام اصولوں اور ان میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا اطلاق خواتین کے ادب پر نہیں ہوسکتا۔''[۱۸]

ان دونوں خواتین کا سوال بہت حد تک درست بھی ہے کہ آخر ایسی کون سی وجہ تھی کہ ادب صرف ادب نہ ہو کر درجہ بندی میں تقسیم ہوگیا۔ بہر حال تانیثیت کے ذریعہ ہی خواتین کو ادب میں وہ مقام حاصل ہوا جس کی وہ مستحق تھیں۔

مختصراً یہ کہ تانیثیت نے لگ بھگ ایک سو چالیس سال کا وقفہ طے کرلیا ہے اور اس پورے عرصے میں

یہ تحریک ادبی، فکری وفنی سطح پر مسلسل جدو جہد کرتی رہی ہے۔ حالانکہ عورتوں کی محکومی کی روایت صدیوں سے رائج تھی اور احساس کمتری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان کی شخصیت معدوم ہو چکی تھی۔ اس لیے وہ کسی بھی شعبہ میں مردوں کے شانہ بشانہ چل نہیں سکتی تھیں خواہ وہ ادب ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ مرد حضرات نے اسے ناقص العقل، گھر میں استعمال ہونے والے ایک سامان اور گھر کی ذمہ داریوں میں قید کر کے رکھ دیا۔ لیکن تانیثیت کی تحریک نے عورتوں کے حقوق کی آواز بلند کر کے ان کو ان پابندیوں سے آزادی دلائی۔ اس تحریک کے ذریعہ ہی عورتوں کے احساسات، جذبات، خانگی زندگی اور نفسیاتی الجھنوں کے ساتھ ان کے مسائل پر روشنی پڑی اور ان کو دور کرنے کے لیے حل پیش ہوئے۔ تانیثی ادب عورتوں کو وہ حقوق مہیا کرا رہا ہے جس سے وہ محروم ہو چکی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج عورتیں مردوں کے ساتھ بغیر کسی رکاوٹ کے ادب تخلیق کر رہی ہیں۔ اگر زمانہ قدیم سے جدید دور کی عورتوں کا موازنہ کیا جائے تو آج عورتیں ہر میدان میں اپنی تمام پابندیوں اور روایتوں کو توڑتے ہوئے سیاسی، معاشی اور ادبی تمام مسائل میں کھری اتر رہی ہیں اور اپنی ذمہ داری بخوبی نبھا رہی ہیں۔

○

حواشی

(۱) 'تانیثیت تشخص کی تشویش اور بریشن کا جنس' دیویندر اسر (مشمولہ) 'بیسویں صدی میں خواتین کا ادب' عتیق اللہ، ۲۰۰۲، ص:۴۶
(۲) 'فیمینزم تاریخ وتنقید' شہناز نبی، رہروان پبلی کیشنز کولکاتہ، ۲۰۱۲ ص:۱۹
(۳) Women in the past, present and future (NBT) ND 1976, P-11
(۴) مضمون 'تانیثیت ایک تنقیدی جائزہ' سید محمد عقیل، 'بیسویں صدی میں خواتین کا اردو ادب' مرتبہ: عتیق اللہ، ص: ۴۰-۳۹
(۵) ایشین جرنل ویمنس، جلد ۱۱، ص:۴
(۶) بحوالہ 'اردو ادب میں تانیثیت' ڈاکٹر مشتاق احمد وانی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۲۰۱۳ء، ص:۲۰۵
(۷) بحوالہ 'فیمینزم تاریخ وتنقید' شہناز نبی، رہروان پبلی کیشنز کولکاتہ، ۲۰۱۲ء ص:۲۳
(۸) Encyclopeadia of sociology V-1, P-556
(۹) gttp:11en:wikipedia.org/wiki/feminism:25-6-16
(۱۰) بحوالہ 'اردو میں نسائی ادب کا منظر نامہ' مرتبہ: قیصر جہاں، شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ۲۰۰۴ء، ص:۷۸
(۱۱) 'خواتین اردو ادب میں تانیثی رجحان' (مشمولہ) شاعر، شمارہ ۱۱، ۲۰۰۳ء، ممبئی، ص:۳۴
(۱۲) مضمون 'بیسویں صدی میں خواتین کی اردو شاعری ایک تجزیہ' قمر جہاں (مشمولہ) 'بیسویں صدی میں خواتین کا اردو ادب' مرتبہ: عتیق اللہ، ۲۰۰۲ء، ص:۲۰۹
(۱۳) مضمون 'تانیثی ادب اور چند نمائندہ شاعرات' نسیم اختر (مشمولہ) اردو ادب میں تانیثیت کی مختلف جہتیں، مرتبہ: صالحہ صدیقی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس ۲۰۱۴ء، ص:۳۸۷
(۱۴) 'تانیثیت کی تفہیم' شمس الرحمٰن فاروقی (مشمولہ) کسوٹی جدید، شمارہ ۳۴-۳۵، جلد ۶/ ۷، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۴ء، ص:۱۳-۱۴
(۱۵) مضمون 'تانیثیت - ایک تنقیدی تھیوری' عتیق اللہ (مشمولہ) 'بیسویں صدی میں خواتین کا اردو ادب' ص:۹۳
(۱۶) 'ادبی تنقید کے لسانی مضمرات' مرزا خلیل احمد بیگ، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ۲۰۱۲ء، ص:۷۰
(۱۷) جدید اور مابعد جدید تنقید - ناصر عباس نیر، ایم آر پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۱۵ء، ص:۲۹۷
(۱۸) گزرگاہ خیال، ساجدہ زیدی، تخلیق کار پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۶ء، ص:۱۶۲